بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعریف مرشد کامل

از سید عبدالحفیظ شاہ

عام طور پر اچھے تعلیم یافتہ لوگ کسی مسئلے کو جاننے کیلئے کوشاں رہتے ہیں کیونکہ وہ صحیح بات جاننے پر اصرار کرتے ہیں اور متعلقہ افراد صحیح معلومات جو کسی کتاب وسنت کی روشنی میں بتائی گئی ہیں دیانتداری سے پیش نہیں کرتے۔

میں نے جب یہ بات محسوس کی کہ موجودہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ علماء اور صوفیاء کے خلاف کیوں ہو گیا ہے جبکہ دینی رجحانات بھی اس طبقے میں پائے جاتے ہیں۔ اس مشینی دور میں حصول معاش کی تگ ودو میں اتنا وقت میسر ہی نہیں آسکتا کہ مسائل کے حل کرنے کیلئے کتابوں میں کوئی وقت صرف کر سکے، سو میں نے یہ کوشش شروع کی ہے کہ اپنے علم واستعداد سے اللہ تعالےٰ کے فضل کے ساتھ اپنے احباب میں ایسی افہام وتفہیم کی فضا قائم کی جائے کہ دین کے متعلق سوالات ضرور کئے جائیں اور جوابات سائل کی استعداد اور رجحان کی مطابقت سے دیئے جائیں۔

مثال کو طور پر جس سوال کا جواب آگے چل کر میں دینے والا ہوں وہ عقائد پر مبنی ہے۔ سب سے پہلے ہر انسان کو صاف ذہن سے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ساری کائنات کا خالق ایک ہی ہے۔ نہ اسکا کوئی ثانی ہے نہ شریک۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس نے تمام مخلوقات میں انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا ہے۔ وجودِ انسانی اللہ کا ایک شاہکار ہے کیونکہ یہ مخلوق میں برتر واعلےٰ ہے۔ اس میں جو کچھ بھی کمالات پنہاں ہیں وہ سب اللہ رب العزت کے عطا کردہ ہیں۔ کسی شے پر انسان کا اپنا کوئی تصرف نہیں۔

اس بات کو پوری دیانتداری سے سمجھ لینے کے بعد میں سوال کے جواب کی طرف آتا ہوں۔ سوال یہ ہے

کہ کوئی مرشد یا شیخِ کامل کا، اپنے مرید کی رہنمائی کیلئے، مرید سے باخبر رہنا اس کے فرائض میں سے ہے یا نہیں؟

میرا جواب مختصراً: اشد ضروری ہے۔ اب دلیل میری یہ ہے کہ کسی بھی علم وفن کے اساتذہ جب طالبِ علم کی شخصیت، استعداد، رجحان اور لگن سے کما حقہٗ واقفیت نہ رکھتے ہوں گے، نیز طالب علم کی حرکات وسکنات بھی پیشِ نظر نہ ہونگی تو اساتذہ اپنے فن کو منتقل نہ کرسکیں گے اور طالبِ علم اس میں بے قصور ہوگا۔ یہاں میرا موضوعِ بحث مرشد کامل کی تعریف کو دیانتداری سے واضح کرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق علم وعرفان ودیّت کیا ہے اور اس کے اسباب پہلے سے ہی تیار کر رکھے ہیں۔ مسئلہ قابل توجہ وتشریح یہ ہے کہ شیخ کامل اپنے مریدوں کے حال سے جب تک واقفیت نہ رکھتا ہوگا تعلیم نہیں دے سکتا۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو تمام عالم پر فوقیت علم کی بناء پر عطاء فرمائی۔ فرشتوں سے فرمایا تم نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسمائے مبارکہ کا علم عطاء فرما دیا تھا۔ یہ علم بغیر اکتساب کے ملا اور روح کیساتھ پیوستہ ہے۔ اس کائنات میں ہر شے کی بقا اللہ کے کسی نہ کسی نام کی تجلی ہی کے تحت ہے۔ اب اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسے اسباب وعلل پہلے ہی سے رکھ دیئے کہ ان اسباب ومراحل سے گزر کر روح کی صلاحیتیں اجاگر ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی وجود مختلف ذرائع سے علم سے متعارف ہوتا ہے۔ جیسے القاء، قافیہ، ادراک، فراست، مکاشفہ، الہام، رویائے صالحہ اور وحی ...... یہ معلومات کے ذرائع ہیں جن سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ علم وصول کرنے کی صلاحیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہاں! نہ یہ ذرائع مستقل ہیں اور نہ ہی ہمہ وقت جاری وساری رہتے ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کے انتظام اور مشیّت کے مرہونِ منت ہیں۔

حصول علم کا مقصد اللہ رب العزت کی حاکمیت اور اپنی حقیقت سے واقفیت ہے اور دوسرے مقام پر ان

حقائق کا پرچار ہے۔ انسان چونکہ خلاصۂ کائنات ہے تمام پرند، چرند، درند کو اپنے علم وعقل کی بناء پر تسخیر کرتا ہے۔ ایک انسان کامل جب کسی انسان کو انسانی اقدار کی منزل پانے کی تعلیم دیتا ہے تو اس کا واسطہ ان تمام نفس کے مکروفریب سے پڑتا ہے جن کا انسان مرکب ہے۔ یعنی عجلت، جہالت، خودغرضی، لومڑی جیسی مکاری، درندوں جیسی درندگی اور سفا کی جس کا روز مظاہرہ آپ دیکھتے ہیں۔

یہ تمام فریبِ نفس انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سے فرار کی ترغیب دیتے ہیں۔ اب جب تک ایک شیخ کامل سالک کے احوال اور نفس کے دقائق سے آگاہی نہ رکھے گا وہ ان مکروفریب کو کس طرح چاک کر کے رہنمائی کرسکتا ہے؟ اس لئے اللہ تبارک تعالےٰ نے بندوں کی رہنمائی کیلئے اپنے منتخب بندے بھیجے جن کو علم حاصل کرنے کے تمام لوازمات عطا فرمائے۔ تمام مراحل سے گزر کر یہ اللہ کے مخصوص بندے انسان کو علم کتاب دینے کے ساتھ ساتھ ان کا تزکیہ نفس بھی فرماتے یعنی ان کے نفوس کو ان مکاریوں سے پاک کرتے ہیں جو ستھرائی کی ضد ہیں اور انہیں فلاح کے راستے پر لے آتے ہیں۔ فلاح کے معنی دونوں جہانوں میں کامیابی کے راستوں پر گامزن ہو جانا اور بالآخر کامیابی کی منازل پر فائز ہو جانا ہے۔

اب چونکہ قیامت تک کوئی نبی نہیں آئیگا اس لئے اولیائے کرام نیابتِ رسول ﷺ کرتے ہیں۔ ان کیلئے اشد ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن کو حصول علم اور انوار باطن کی روشنی حاصل کرنے کا ذریعہ متصور کر کے خود روشن ہوں اور مریدوں کو روشنی ان کی ضرورت کے مطابق عطاء کرنے کے ساتھ ساتھ دوسری اہم شق تزکیہ نفس کا کام بھی بحسن وخوبی ادا کرسکیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی کو مرید کرتا ہے تو اس کو مرید کے احوال سے واقفیت ضروری ہے چاہے مرید مغرب میں ہو اور شیخ مشرق میں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ کس بنیاد پر اپنے مرید کی ذمہ داری لیتا ہے جس کا وہ روز قیامت جوابدہ ہوگا؟ اس صورت میں مرید کی تعلیم ناقص ہوگی اور مرید مراد کو نہ پہنچ سکے گا۔ کسی مرید کا امیدِ موہوم پر وقت ضائع کرنے کا حساب دینا پڑے گا۔ جبکہ

انفرادی طور پر ہمیں اپنا حساب بروز قیامت مشکل ہوگا چہ جائیکہ دوسرے لوگوں کا بوجھ سر پر اٹھا کر اس دنیا سے رخصت ہوں۔ اللہ پناہ میں رکھے (آمین)۔

سو معلوم ہوا کہ کسی علم و فن کی تعلیم و تدریس کے علاوہ باطن سے روشنی نہیں لی جائے گی تو طالب علموں پر خاطر خواہ نتائج مرتب نہیں ہونگے۔ مثال کے طور پر سورۃ انفال کی چند آیات کی تشریح پیش کروں گا۔

ترجمہ: اے نبی ﷺ جو قیدی تمہارے ہاتھ (یعنی گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو کچھ تم سے چھینا گیا اس سے بہتر تمہیں عطاء کرے گا اور تمہیں بخشے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (سورۃ انفال آیت ۷۰)

شان نزول: اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ بدر کے کفار قیدیوں کیلئے نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی ان ہی قیدیوں میں تھے اس آیت میں بہت سے مطالب اور راز پنہاں ہیں جن پر غور و فکر کرنے سے کئی باریکیاں واضح ہوتی ہیں۔ اس کی تفسیر میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے جنگ بدر میں کافروں کو شکستِ فاش دی۔ ان میں سے کچھ قتل ہو گئے اور بہت سے قیدی بنائے گئے۔ یہ لوگ قید و بند، عجز و ذلت میں ساری رات گریہ وزاری کرتے رہے۔ ہر امید منقطع ہو جانے سے ان پر مایوسی چھا گئی اور وہ قتل کئے جانے کے انتظار میں تھے۔ حضور ﷺ نے انھیں دیکھا اور مسکرائے۔

کافر بولے دیکھا اس میں بشریت ہے یہ جو دعوی کرتا ہے کہ مجھ میں بشریت نہیں، انہوں نے ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور ہمیں طوق و زنجیر میں جکڑے ہوئے اپنا قیدی پایا ہے تو بہت خوش ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے اہلِ نفس لوگ اپنے دشمنوں کو اپنے پنجہ قہر میں پا کر شادماں ہوتے ہیں۔ یعنی کافر صفاتِ بشریہ میں سرکار ﷺ کی ذات مبارکہ و خصائل حمیدہ کو اپنے جیسا جانتے تھے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ بھیجے گئے رسولوں کی تکذیب اور انکار کرنے والی قومیں رسولوں پر اپنے جیسی بشریت کے

ہونے ہی کی دلیل دیتی رہی ہیں:

قالو مآ انتم الا بشر مثلنا (سورۃ یس :آیت ۱۵)

ترجمہ: 'کہا (اس شہر کے لوگوں نے) نہیں ہو تم آدمی مثل ہماری'

کیونکہ بدر کے قیدی سرکار دو عالم ﷺ سے بغض و عناد رکھتے تھے اس لئے آپ ﷺ کے خصائل حمیدہ سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ جب کافروں کے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ ﷺ اہل نفس سے ہی ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے دل کی بات سمجھ لی اور فرمایا نہیں میں ہرگز اس وجہ سے نہیں ہنسا کہ دشمنوں کو اپنے زیردست دیکھ رہا ہوں بلکہ مجھے اس بات پر ہنسی آئی ہے کہ بچشم باطن دیکھ رہا ہوں کہ ایک قوم کو غلاظت کی جگہ اور دوزخ سے زنجیروں میں جکڑ کر بہشت، دربان خلد اور گلستان ابدی کی طرف زبردستی کھینچے لئے جاتا ہوں اور وہ قوم آہ و فغاں کر رہی ہے کہ ہمیں اس جگہ سے اس باغ بہشت اور امن کی جگہ کیوں لے جا رہا ہے۔ اس ساری بات پر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا مقامِ فنا فی اللہ میں مستغرق ہونا تمام انبیائے کرام پر قوی ترین تھا۔ سو ایسا ہی فعل حضرت داؤد علیہ السلام سے صادر ہوا اسے حق تعالیٰ نے فرمایا 'داؤد نے جالوت کو قتل کیا' تا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے مرتبہ میں اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے رتبے میں فرق ہو جائے اور آپ ؐ کی شان عالیہ خوب خوب ظاہر ہو جائے۔

جب حضرت عباس نے اسلام لانے کا عندیہ ظاہر کیا تو ان سے ثبوت طلب کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ فرمایئے کیا ثبوت مطلوب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تیرے وہ اموال جو بچ رہتے ہیں لشکرِ اسلام کیلئے ان کا ایثار کر اگر تو سچے دل سے مسلمان ہوا ہے تو تو یہ کر۔

حضرت عباس نے کہا کہ: 'یارسول اللہ ﷺ میرے پاس سے سبھی کچھ تو لٹ گیا'۔

حضور اکرم نے فرمایا: دیکھا تو ابھی درست نہیں ہوا اور تو جو کچھ تھا اس سے سر مو نہیں پھرا! میں تجھے

بتاؤں تیرے پاس کتنا مال ہے اور تو نے اسے کہاں چھپا رکھا ہے اور کس کے سپرد کیا ہے کس مکان میں تو نے دفن کیا ہے؟

حضرت عباس نے جواب دیا: حاشا کہ مال نہیں ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا کہ کیا تو نے اتنی

اتنی مقدار میں مال اپنی بیوی ام فضل کے سپرد نہیں کیا اور کیا فلاں دیوار میں تو نے اسے دفن نہیں کیا۔ اور کیا تو نے اس تفصیل کے ساتھ وصیت نہیں کی؟ عباسؓ یہ سن کر انگشت بدنداں رہ گئے اور سچے دل سے ایمان لے آئے اور کہا اے اللہ کے سچے رسولﷺ میں سمجھتا تھا کہ تیرا اقبال دور فلک کی وجہ سے ہے جیسے ہامان، شداد اور نمرود۔ اب جو کچھ آپ نے فرمایا اس سے مجھے صحیح علم ہوا اور حقیقت واضح ہوگئی کہ آپکا یہ اقبال وحدانی بھید ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا اس مرتبہ شک کا زنار جو تیرے اندر تھا وہ ٹوٹ گیا۔ اس شکستِ زنار کی آواز میرے کان میں آئی ہے۔ میری روح کے اندر ایک پوشیدہ کان ہے۔ چونکہ تمہیں وہ نظر ابھی حاصل نہیں جس سے تم وہ سب دیکھ سکو جو میں کہہ رہا ہوں اور جو میں کہہ رہا ہوں اسے سمجھو اور دیکھو صاف طور سے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا' اسیروں سے کہہ دے کہ تم نے لشکر جمع کیے بہت شان وشوکت دکھائی اور اپنی جوان مردی اور شان پر پوری پوری خود اعتمادی ظاہر کی اور دعوے کیے کہ ہم مسلمانوں کی طاقت توڑ کر رکھ دیں گے، ان پر قہر نازل کریں گے۔ تم نے اپنے آپ سے کسی کو قوی تر اور زبردست نہ سمجھا اس کے برعکس تم نے جو منصوبہ باندھا تھا نتیجہ اس کے خلاف ہی نکلا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے شک وشرک اور اپنے کفر کا زنّار توڑتا ہے تو یہ آواز اپنے گوش نہاں سے سنتا ہوں اور اس کے ٹوٹنے کی آواز میری روح کے کان میں پہنچتی ہے۔ اب حقیقت یہ ہے تو درست ہوگیا، اور ایمان لے آیا۔

اب میری دوسری مثال اسی مد میں جو پیش کروں گا وہ خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ سے منسوب ہے۔

اختصار کے ساتھ یہ کہ آپ جمعہ کے خطبے کے دوران تین مرتبہ با آواز بلند فرماتے ہیں:

یا ساریہ الی الجبل یا ساریہ الی الجبل یا ساریہ الی الجبل

اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے آپ نے مجاہدین کو جبل کے پیچھے چھپے دشمنوں کی پیشگی خبر دے کر ان کے حملے سے ہوشیار کرنا مقصود تھا حالانکہ جنگ کے مقام اور خطبہ کے مقام میں کوسوں میل کا فاصلہ تھا۔

یہ سب حکم ربی تھا لیکن غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس بات کو بتانے کیلئے اﷲ تعالےٰ نے حضرت عمر فاروقؓ کو دورانِ خطبہ کیوں منتخب کیا؟ اس میں دعوتِ فکر ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق ہر عارف کو چاہیے ایسی باتوں پر غور کرے اور آگے بڑھے۔

متذکرہ بالا گزارشات سے میں سمجھتا ہوں مرشدِ کامل کی تشریح مزید افہام وتفہیم کی محتاج نہیں۔ پھر بھی میری خواہش ہے کہ اگر کوئی میری اس تحریر میں نقص پائے یا اعتراض کی کوئی گنجائش ہو تو وہ ضرور مجھے مطلع کرے اور عنداللہ ماجور ہو۔

☆☆☆

اے اللہ! اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں ڈال دے، اگر جنت کیلئے کرتی ہوں تو اس سے محروم کر دے اور تیرے لئے کرتی ہوں تو پھر میرا بن جا۔ (حضرت رابعہ بصری)